اختلافی مسائل

اختلافی مسائل

میں

اعتدال کی راہ

از: افادات حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی

مترجمہ مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی

شائع کردہ

مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی پاکستان

اچھرہ .. لاہور

نگاہوں کی وسعت کم ہونے لگی۔ لوگوں نے بقیہ اختلافی پہلوؤں سے صرف نظر کرکے صرف ایک پہلو کو لے لیا۔ اب اختلافات کی نوعیت پہلی سی نہ رہی انہیں بے حد اہمیت دے دی گئی۔ ان کی آڑ میں فرقہ پرستی وجود میں آگئی۔ لوگوں کا ذوق تحقیق، جمود سے بدل گیا اور وہ اپنے آئمہ کے اختیار کردہ مسلک پر سختی سے جم گئے۔ ا

اور یہ جو بعض علمائے سلف سے اپنے ائمہ کے مذاہب پر ہمیشہ قائم رہنے کی تاکید منقول ہے۔ سو یہ یا تو ایک رجحان فطری کی بنا پر ہے کیونکہ ہر انسان اپنے پیشواؤں اور بزرگوں کی مختار اور پسندیدہ چیزوں کو بڑی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ ہم عام رسوم و رواج کے اندر بھی اس رجحان فطری کا مشاہدہ کرسکتے ہیں۔ یا پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے دلائل کی عظمت اور قوت سے مرعوب تھے اور ان کے خیال میں یہ دلائل بہت ہی مضبوط اور ناقابل تردید تھے۔ یہ اور اسی قسم کی اور وجہیں ہوسکتی ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کا یہ خیال کہ تعصب کی سرشاری میں انہوں نے یہ کلمات کہے، محض وہم بلکہ سراسر بہتان ہے۔

اب ذرا ان اختلافات کی اصلیت پر غور کرو جن پر فرقہ بندیوں کا نہ ختم جھگڑا قائم ہو رہا ہے، اور دیکھو کہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ سلف نے ہمارے لیے کونسا اسوہ چھوڑا ہے؟ ان تمام کا حال یہ تھا کہ ان میں سے بعض لوگ بسم اللہ پڑھتے تھے بعض لوگ نہیں پڑھتے تھے۔ اگر ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو قے کرنے اور پچھنے لگوانے کے بعد تجدید وضو کو ضروری خیال کرتی تھی تو ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اس کی مطلقاً ضرورت

Marfat.com

نہ سمجھتی تھی۔ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں اختلافات موجود تھے لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ کسی نے کسی کی اقتداء سے کبھی انکار نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور امام شافعیؒ وغیرہ مدینہ والوں کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے حالانکہ اہل مدینہ سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے۔ نہ آہستہ اور نہ زور سے امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کے پیچھے نماز پڑھی، حالانکہ اس نے حجامت (پچھنے لگوانے) کے بعد وضو کی تجدید نہیں کی تھی۔ امام ابو یوسف کے مذہب میں پچھنوں کے بعد تجدید وضو لازم ہے۔ مگر امام مالک کے مذہب میں لازم نہیں ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل حجامت اور نکسیر کو ناقص وضو مانتے ہیں لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جس نے بدن سے خون نکلنے کے بعد وضو نہ کیا ہو تو آپ نے جواب دیا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے میں نماز نہ پڑھوں؟ (جن کے نزدیک یہ چیزیں نواقض وضو میں سے نہیں ہیں)

روایت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ عیدین میں خلیفہ ہارون کی رعایت سے حضرت ابن عباس کے مذہب کے مطابق تکبیریں کہا کرتے تھے حالانکہ ان دونوں اماموں کا مذہب اس کے خلاف تھا۔

امام شافعیؒ نے مقبرۂ امام ابوحنیفہ کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو محض ان کے لحاظ اور ادب سے دعائے قنوت کو ترک کر دیا۔ اور فرمایا کہ لہٰذا اوقات ہم اہل عراق کے مسلک پر بھی عمل کر لیتے ہیں۔

امام ثانیؒ (امام ابو یوسفؒ) کے متعلق البزازیہ میں ہے کہ آپ نے جمعہ کے روز حمام میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز پڑھ کر جب لوگ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ حمام کے کوئیں میں ایک مرا ہوا چوہا موجود ہے امام موصوف نے یہ سن کر فرمایا کہ "تو پھر اس وقت ہم اپنے مدنی بھائیوں کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلّہ کی مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا اس کا حکم ماء کثیر کا ہو جاتا ہے"۔

امام خجندیؒ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک شافعی المذہب آدمی نے دو ایک برس کی نماز چھوڑ دی ہو اور اس کے بعد وہ حنفی مذہب اختیار کرلے تو پھر وہ کس طرح نماز کی قضا کرے؟ آیا امام شافعی کے مذہب کے مطابق یا حنفی مذہب کے مطابق؟ جواب دیا کہ جس مذہب کے مطابق اس نے قضا کر لیا جائز ہے، بشرطیکہ اس کے جواز کا اعتقاد رکھتا ہو۔

جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی حنفی نے یہ کہا کہ "اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق، اس پر طلاق، اس پر طلاق (یعنی تین طلاقیں دیں") پھر اس نے کسی شافعی المذہب فقیہ سے فتویٰ پوچھا اور اس نے جواب دیا کہ "اس پر طلاق نہ پڑے گی اور تمہاری یہ قسم لغو قرار پائے گی"۔ تو اس مسئلہ میں امام شافعی کی اقتداء کرنے میں اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اکثر صحابہ کرام کی تائید اسی مسلک کو حاصل ہے۔

امام محمدؒ نے اپنی امالی میں فرمایا ہے کہ "اگر کوئی فقیہ اپنی بیوی کو ان لفظوں میں طلاق دے کہ انت طالقٌ البتّۃ اور وہ اپنے مذہب کے مطابق ایسے طلاق کو تین طلاق یعنی طلاق بائن سمجھتا ہو۔ لیکن قاضی وقت فیصلہ کردے کہ یہ طلاق رجعی ہے تو اس کے لیے رجعت کرنے کی گنجائش ہے"

اسی طرح تحریم و تحلیل اور معاشرۃ اور لین دین کے ان تمام معاملات میں جن کے اندر فقہاء اور ائمہ کی رائیں مختلف ہیں، ہر فقیہ پر لازم ہے کہ اگر دارالقضاء سے اس کے مذہب فقہی کے خلاف فیصلہ ہو تو وہ اپنی رائے اور اپنے مسلک کو چھوڑ کر قاضی کے فیصلہ پر عمل کرے۔

چند مسائل اور ہیں جن کی اصلیت کے بارے میں ایک عام اور عجیب غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے اور درحقیقت یہی غلط فہمی موجودہ اختلاف کا سرچشمہ ہے۔ ہم انہیں یہاں مجملاً بیان کرنا چاہتے ہیں:

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کی وہ تمام تفریعات جو ان لمبی لمبی شرحوں اور فتاویٰ کی موٹی موٹی کتابوں میں موجود ہیں، سب کی سب امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال ہیں۔ وہ ان اقوال میں یہ تمیز نہیں کرتے کہ فلاں قول ان ائمہ کا فلاں قول ہے اور فلاں قول ان کی رایوں اور فتووں کو سامنے رکھ کر بعد میں مستنبط کیا گیا ہے۔ اور یہ جو ان کتابوں میں علی تخریج الکرخی کذا" اور علی تخریج الطحاوی کذا کے الفاظ آیا کرتے ہیں ان کو وہ گویا بے معنی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح قال ابوحنیفہ کذا، امام ابوحنیفہ نے

Marfat.com

(یوں فرمایا ہے) اور جواب المسئلۃ علی مذھب ابی حنیفۃ کذا (امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق مسئلہ کا جواب یوں ہے) کے درمیان وہ کوئی فرق و امتیاز نہیں کرتے اور ابن الہمام و ابن النجیم وغیرہ محققین حنفیہ کا مسئلہ دہ در دہ اور مسئلہ کشرط تیم اور ایسے دوسرے مسائل کے بارے میں یہ فرمانا کہ "دراصل یہ امام ابوحنیفہ کا قول نہیں ہے بلکہ بعد والوں کی تخریجات ہیں۔ ان کے نزدیک بالکل ناقابل اعتناء ہے۔

اسی طرح بعض ارباب علم و شیخت اس وہم میں مبتلا ہیں کہ مذہب حنفی کی بنا انہی مباحث پر قائم ہے جو المبسوط، الہدایہ اور التبیین کے صفحات میں پھیلی ہوئی ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کے مذہب کی بنا ان بحثوں پر نہیں ہے بلکہ اس طریق بحث و جدل کے بانی دراصل معتزلہ ہیں، جسے متاخرین نے اس خیال سے اختیار کر لیا تھا کہ اس سے طلبہ کے ذہن میں تیزی اور وسعت پیدا ہوگی، اگرچہ ان کی تمنا بار آور نہ ہوئی اور ان کے اس طرز عمل نے دماغ کو جلا اور وسعت دینے کے بجائے انہیں بے بصیرتی اور تعصب کی تنگنائیوں میں گرفتار کر دیا۔

ہم اس جگہ ان اوہام اور شکوک کی تردید میں لمبی گفتگو نہیں کرنی چاہتے، کیونکہ اس باب کی تمہید میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں اس کی روشنی ان میں سے اکثر کا خود بخود ازالہ کر دیتی ہے۔

۲- بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلافات کی اساس وہ اصول ہیں جو اصول بزدوی وغیرہ کتابوں میں مدون ہیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر اصول ایسے ہیں جن کا ذکر ان بزرگوں نے کبھی نہیں کیا، بلکہ وہ ان کے اقوال و فتاوی کو سامنے رکھ کر بعد میں وضع کیے گئے ہیں۔ مثلاً میرے نزدیک فقہ کے حسب ذیل

Marfat.com

اصول ائمہ کے کلام سے بعد والوں نے نکالے ہیں اور امام ابوحنیفہ یا صاحبین سے کوئی صحیح روایت ایسی منقول نہیں جس میں یہ اصول مذکور ہوں ؛

- خاص اپنے حکم میں خود واضح اور مبیّن ہے اس کے ساتھ کوئی تشریحی بیان ملحق نہ کیا جائے گا"
- کسی حکم پر اضافہ اس حکم کا نسخ ہے"
- خاص کی طرح عام بھی قطعی ہے"
- کثرتِ رواۃ لازمۂ ترجیح نہیں"
- غیر فقیہ راوی کی روایت اگر اصول وقیاس کے خلاف ہو تو واجب العمل نہیں"
- مفہوم شرط اور مفہوم وصف کا کوئی اعتبار نہیں"

اس قسم کے بہت سے اصول فقہیہ ایسے ہیں جن کی تعیین وتفریع سے ائمہ کو کوئی تعلق نہیں ، اور ایسے اصولوں کی محافظت کرنا اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کو بڑے تکلفات کے ساتھ رفع کرنا متقدمین کا طریقہ نہ تھا۔ ان کی محافظت ومدافعت ہماری توجہ کی صرف اسی قدر مستحق ہے جس قدر ان کے خلاف اصول وقواعد فقہ کی۔ اگر ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے میں تکلف سے کام لیا جائے جیسا کہ عام لوگوں کا شیوہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے اصول کو اس جوشِ حمایت سے محروم رکھا جائے۔

اب ہم چند مثالیں دے کر اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں :

(أ) ان حضرات نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ "لفظ خاص اپنے حکم میں خود واضح ہے کسی تشریحی بیان کو اس کے ساتھ ملحق نہ کیا جائے گا" یہ قاعدہ دراصل متقدمین کے اس فعل سے

Marfat.com

نکالا گیا ہے کہ انہوں نے آیت وَاسْجُدُوْا وَارْكَعُوْا کی بنا پر نماز میں صرف رکوع وسجود کو فرض قرار دیا اور اطمینان کو فرض نہیں ٹھہرایا درآنحالیکہ حدیث میں یہ ارشاد موجود تھا کہ "آدمی کی نماز نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو پوری طرح ٹھہرائے نہیں" اس ایک معاملہ میں متقدمین نے جو مسلک اختیار کیا، متاخرین نے اس سے ایک قاعدہ کلیہ وضع کر لیا۔ مگر دیکھو کہ متعدد معاملات میں وہ خود اپنے مقرر کئے ہوئے اس قاعدے کو کس طرح توڑتے ہیں :

آیت وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں محض سر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ "وَامْسَحُوْا" کا لفظ خاص ہے، قاعدۂ مذکور کی رو سے چاہئے تھا کہ سر کے مسح کی مطلق فرضیت کا فتویٰ دیا جاتا، لیکن حنفیہ یہاں اپنے اس قاعدہ کی پابندی نہیں کرتے اور اس حدیث کی بنا پر جس میں مذکور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناصیہ کا مسح فرمایا، مسح کے لیے سر کے چوتھائی حصہ کی حد مقرر کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہاں حکم خاص کے ساتھ اس کی تشریح کو کیوں ملحق کیا گیا؟

قرآن کا حکم ہے اور لفظ خاص کے ساتھ ہے کہ "زانی اور زانیہ کو کوڑے مارو" مذکورۂ بالا قاعدہ کا اقتضا تھا کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ سب کو کوڑے ہی مار کر سزا دی جاتی۔ مگر یہی احناف حدیثوں کو اس آیت کا بیان مانتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ غیر شادی شدہ کو تو کوڑے مارے جائیں، لیکن شادی شدہ مجرم کو سنگسار کیا جائے۔ کیا یہ لفظ خاص کے ساتھ تشریح کا الحاق نہیں؟

Marfat.com

آیت اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا میں مطلقاً چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ قاعدۂ مذکور کے مطابق چاہیے تھا کہ ایک پیسہ کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ ڈالا جاتا۔ لیکن اپنے مقرر کئے ہوئے اصول کو بالائے طاق رکھ کر انہی حضرات نے دس درہم کی شرط لگائی اور حدیث کو آیت کا بیان قرار دیا۔

۱۱ طلاقِ مغلظ دینے کے بعد شوہر اگر از سرِ نو مطلقہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہے تو قرآن "حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ" کے الفاظ کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ یہ صرف اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس کے طلاق دینے کے بعد کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کر چکا ہو۔ اس حکم کا لفظ یعنی "تَنْکِحَ" خاص ہے جو اپنے متعارف مفہوم میں ایجاب وقبول تک محدود ہے۔ پس آیت سے صرف اتنی شرط نکلتی ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح بمعنی ایجاب وقبول کر لے لیکن فقہائے احناف نے حدیث "حتّٰی تذوق عسیلتہ ویذوق عسیلتک" کو اس حکم کا بیان تسلیم کر کے نکاح کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دی کہ وہ دوسرا شوہر اس عورت سے جماع بھی کرے۔

بتاؤ ان مثالوں میں اصول الخاص مبیّن لا یلحقہ البیان کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے؟

(ب) "قرأت نماز کے متعلق نص قرآنی" فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" میں "ما تیسّر" کا عموم چاہتا ہے کہ جتنا بھی اور جہاں سے بھی قرآن پڑھ لیا گیا نماز ہو جائے اور حدیث "لَا صلوٰۃ الّا بفاتحۃ الکتاب" کا ظاہری مفہوم چاہتا ہے کہ سورۂ فاتحہ

قرأت ہر رکعت میں فرض ہے۔ لیکن قدمانے آیت کے عموم کو اپنی جگہ رکھا اور حدیث کو اس کا مخصص نہ مانتے ہوئے فتویٰ دیا کہ قرأتِ فاتحہ فرض نہیں ہے۔ اسی طرح کے بعض اور اقوال سے متاخرین نے ایک کلی اصول یہ مستنبط کرلیا، کہ "العام قطعی کالخاص" یعنی لفظ عام بھی اپنے حکم اور مفہوم میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے۔ اس کا عموم تخصیص کا متحمل نہیں بلکہ وہ ایک مستقل حکم ہوتا ہے۔

اس اصول کا تقاضا تھا کہ آیت "فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" کے عموم کو بھی قطعی مان کر کہا جاتا کہ ہر چھوٹی بڑی ھدی جو بھی بآسانی میسر آسکے قربانی کے کام آسکتی ہے، کیونکہ "فَمَا اسْتَيْسَرَ" کا لفظ عام ہے اس لیے اس کے مدلول اور مقصود میں بھی عموم اور وسعت کو باقی رکھنا چاہیے۔ لیکن احناف حدیث سے خود ہی تخصیص فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ھدی کے لیے بکرا یا بکرے سے بڑا کوئی جانور ہونا چاہیے۔ کیا یہاں لفظ عام کی قطعیت خاص کی طرح قائم رہی؟

(س) اصول فقہ کی ایک محکم دفعہ یہ بھی ہے کہ لاعبرۃ بمفہوم الشرط والوصف یعنی اگر کوئی حکم کسی خاص موقع پر دیا گیا ہو، تو اس حکم کے اطلاق میں اس خاص موقع کی خصوصیات اور شرائط کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ یہ قاعدہ دراصل سلف کے اس سمجھ سے نکالا گیا ہے جو انہوں نے آیت "فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا" کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ آزاد حلیت سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور بوجہ ناداری اس کے اخراجات

Marfat.com

متکفل نہیں ہو سکتے وہ لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن متقدمین نے اس شرط عدم استطاعت کو قید جواز نہ مانتے ہوئے ذی استطاعت اور صاحب مقدرت انسان کو بھی لونڈی سے نکاح کی اجازت دے دی۔ ان کے اس فتویٰ سے مندرجہ بالا اصول منضبط کر لیا گیا۔

لیکن اونٹ کی زکوٰۃ کے بارے میں یہ لوگ خود اس اصول کو توڑ دیتے ہیں۔ نص کے الفاظ فی الابل السائمۃ زکوۃ) ہیں جن میں یہی قید شرط مذکور ہے۔ اصولِ مذکورہ کے لحاظ سے چاہیئے تھا کہ سائمہ اور غیر سائمہ ہر نوع کے اونٹوں میں زکوٰۃ فرض قرار دی جاتی اور اس لفظ "السَّائِمَۃ" کے مفہوم سے حکم کو مقید نہ کیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا اور صرف چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ کی فرضیت کا فتویٰ دیا گیا

(د) حدیثِ مصرّاۃ (جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے) میں ائمہ سلف نے جو مسلک اختیار کیا تھا اس کے پیش نظر متاخرین نے یہ کلی اصول بنا لیا کہ جب کوئی غیر فقیہ راوی کسی ایسی حدیث کی روایت کرے جو قیاس سے متصادم ہوتی ہو تو وہ واجب العمل نہ ہوگی۔ مگر انہیں واضعین اصول نے حدیثِ تفہہ کو جو خلافِ قیاس بھی ہے اور غیر فقیہ راوی کی روایت بھی، واجب العمل مانا اور فتویٰ دیا کہ نماز میں بآواز بلند ہنسنے سے نماز ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ وضو اور قہقہہ کا کوئی تعلق اب تک دائرۂ قیاس میں نہیں آسکا۔ اسی طرح افطارِ صوم کے بارے میں بھی یہ اصول پس پشت ڈال دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ جب کھانا پینا روزہ کو توڑ دیتے ہیں

Marfat.com

تو چاہے بھول کر کھایا جائے یا عمداً، بہرحال روزہ ٹوٹ جانا چاہیئے۔ لیکن اس کھلے ہوئے قیاس کو انہوں نے ایک ایسی حدیث کی وجہ سے ترک کر دیا۔ جو خلافِ قیاس بھی ہے اور غیر فقیہ راوی کی روایت بھی۔

صاحب نظر کے لیے یہ چند اشارات کافی ہیں، ورنہ اس کے شواہد بے شمار ہیں جو بتاتے ہیں کہ ان اصولوں کی حقیقت کیا ہے، اور خود ان کے واضعین نے کس طرح ان کی خلاف ورزی کی ہے۔ پھر جب اس خلاف ورزی پر اعتراض کیا گیا تو اس کا جواب انہوں نے جن تکلفات اور سخن پسندیوں کے ساتھ دیا ہے ان کی داستان بھی ہر ناظر ان کی کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔

مسئلہ کی اصل حقیقت بالکل بے نقاب ہو سکتی ہے اگر تم صرف ایک ہی قاعدہ کے متعلق علماء محققین کی تصریحات دیکھ لو۔ وہ فرماتے ہیں کہ شرط فقاہت والے اصول میں دو مذہب ہیں۔ ایک تو عیسیٰ ابن ابان کا ہے جن کے نزدیک غیر فقیہ راوی کی روایت ضابط اور عادل ہونے کے باوجود خلافِ قیاس ہونے کی صورت میں ناقابلِ عمل ہے، اور اکثر متاخرین نے اسی رائے کو اختیار کر لیا ہے۔ دوسرا مذہب امام کرخی کا ہے جن کے نزدیک خبر واحد کے قیاس پر مقدم ہونے کے لیے راوی کا فقیہ ہونا شرط نہیں۔ حدیث بہرحال قیاس کے مقابلہ میں واجب الاتباع ہے۔ بہت سے علماء نے اسی دوسری رائے کو مانا ہے۔ چنانچہ وہ صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ قول (یعنی قول اوّل) ہمارے ائمہ سے منقول نہیں۔ ان سے تو یہ منقول ہے کہ خبر واحد قیاس پر مقدم ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے بھول کر کھانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو واجب العمل تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ روایت قیاس کے خلاف تھی۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ نے صریحاً فرمایا کہ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں قیاس کو اختیار کرتا"

خود ان متاخرین کا اکثر تخریجات میں مختلف ہونا اور ایک دوسرے پر اعتراض کرنا ہمارے خیال کی ایک ناقابلِ تردید شہادت ہے۔

(۳) ایک غلط فہمی اور ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقاہت کے لحاظ سے محض دو گروہ ہیں۔ ایک اہل الظاہر۔ دوسرے اہل الرائے۔ اور جو شخص بھی قیاس اور استنباط سے کام لے وہ اہل الرائے میں سے ہے۔ حالانکہ حقیقت سے یہ انتہائی بے خبری ہے۔ لفظ "رای" کا مفہوم نہ تو نفس عقل و فہم ہے کیونکہ کوئی عالم اس صفت سے عاری نہیں۔ نہ رائے کا مطلب وہ رائے محض ہے جس کا رشتہ سنت سے منقطع ہو، کیونکہ ایسی رائے کوئی متبع اسلام اختیار نہیں کرسکتا۔ اور نہ رائے سے مقصود قیاس و استنباط کی قدرت ہے، کیونکہ امام احمدؒ اور اسحاقؒ بلکہ امام شافعیؒ کا بھی بالاتفاق اہل الرّائے میں شمار نہیں، حالانکہ وہ قیاس سے بھی کام لیتے ہیں اور مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ رائی اور اہل الرائے کا مفہوم

ان تمام سے جداگانہ ہے۔ اہل الرائے کہتے ہیں ان لوگوں کو جنہوں نے جمہور مسلمین کے متفق علیہ مسائل کے بعد فروعی اور اختلافی مسائل میں کسی امام کے اقوال و اصول کو سامنے رکھ کر تخریج و استنباط پر اکتفا کر لیا، اور روایات و آثار کے تتبع سے تقریباً بے نیاز ہو کر اصول اور قیاس کی مدد سے جزئیات نکالنے لگے۔ وہ حلِ مسائل کے وقت نصوصِ آثار و سنن کی طرف مراجعت کرنے کے بجائے زیادہ تر یہ دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ فقہاء کے پھیلائے ہوئے اصول میں سے کس اصل کے تحت آتا ہے، اس کے اشباہ و نظائر کیا ہیں کس مسئلہ کی علت اس میں پائی جاتی ہے۔ ان کے مقابلہ میں ظاہریہ وہ لوگ ہیں، جو نہ قیاس سے کام لیتے ہیں اور نہ آثارِ صحابہ اور اقوالِ تابعین سے، جیسے امام داؤد اور ابن حزم۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان محققین اہل سنۃ کا گروہ ہے جیسے امام احمد و امام اسحاق۔

یہ بحث اگرچہ اس تفصیل و اطناب کے ساتھ عنوانِ کتاب سے خارج تھی، لیکن اس کے باوجود مذہبی فرقہ آرائیوں کی موجودہ خلفشار اور حقیقتِ حال سے عام بے خبری کو دیکھ کر میں نے ضروری سمجھا کہ عدل و توسط کا نقطہ جو ان ہنگاموں میں گم ہو گیا ہے۔ اس کو افراط و تفریط اور تعصب کی الجھنوں سے نکال کر اربابِ نظر کے سامنے پیش کر دوں۔ عدل پسند اور حق طلب کے لیے یہی کافی ہے۔ متعصب کے لیے

Marfat.com

کچھ بھی کافی نہیں۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝

محمد طیب قاسمی

Marfat.com

اعتدال فی مسائل

اختلافی مسائل

میں

اعتدال کی راہ

از: افادات حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی

مترجمہ مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی

شائع کردہ:

مرکزی مکتبہ جماعتِ اسلامی پاکستان

اچھرہ .. لاہور

Marfat.com